فلسفے کے بارے میں ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا نقطہ نظر

پروفیسر محمد عارف خاں

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ڈاکٹر محمد رفیع الدین[1] کا شمار پاکستان کے چند نامور فلاسفروں میں ہوتا ہے' بلکہ مولانا عبدالماجد دریا بادی تو علامہ محمد اقبال کے بعد انہیں سب سے بڑا فلسفی قرار دیتے ہیں'[2] جبکہ خود رفیع الدین اپنے آپ کو اقبال کا خوشہ چین باور کرتے ہیں[3]۔ مسلم تاریخ میں فلسفے کے بارے میں علماء و حکماء کا زیادہ تر رویہ فلسفہ بیزار رہا ہے' اسے مذہب بیزار سمجھا گیا۔ اسلامی ادب میں بطور مضمون پڑھائے جانے کے باوجود اس کو اسلام کے حق میں استعمال کرنے کے بجائے اس کے رد کی روایت پروان چڑھی۔ رفیع الدین نے اس تاریخی روایت کا نئے سرے سے تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اس طرف توجہ مبذول کرائی ہے کہ فلسفے کی جدید اہمیت کے پیش نظر جدید تناظر میں اس کی تعریف اور ماہیت کا تعین کیا جائے۔ انہوں نے یہ جائزہ اسلام کی جدید تعبیرو تشریح کی ضرورت اور تقاضوں کے مطابق لیا ہے' جبکہ ان کے نزدیک جدید فتنہ ارتداد فلسفہ باطل ہے جو مسلم افکار پر حملہ آور ہوا ہے۔ وہ فلسفے کو مکمل مسترد کرنے کے بجائے اسے فلسفہ حق اور فلسفہ باطل میں تقسیم کرکے زیر بحث لاتے ہیں۔ ان کے نزدیک کفر اب نئے لباس میں اسلام کے مقابلے پر آیا ہے' یہ نیا لباس فلسفے کا ہے' بلکہ یہ سارے مذاہب کو مٹانے پر تلا ہے' عیسائیت اور آریہ دھرم کو دفاع پر مجبور کرنے کے بعد اسلام پر حملہ آور ہو چکا ہے اور کامیاب نقصان پہنچا چکا ہے۔ رفیع الدین کے نزدیک اسلام کے مقابلے میں دوسرے مذاہب براہ راست یا بلاواسطہ حملہ آور ہوتے رہے ہیں' جبکہ فلسفہ اسلام کا نام لے کر تردید کرنے کے بجائے علم و تحقیق اور عقل و فکر کے نام سے مقابلے پر ہے۔ فلسفہ باطل انسان اور کائنات کی تشریح اس انداز سے کرتا ہے' علم و عقل کا ایسا پردہ ڈالتا ہے کہ جس میں خدا' رسالت اور دین کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ رفیع الدین کے نزدیک یہ جدید اور خطرناک فتنہ ارتداد ہے جو عقل و علم اور استدلال کے جدید ہتھیاروں سے لیس ہے اور اس کے بڑے بڑے اماموں میں مغرب کے نامور فلسفی ڈارون' میکڈوگل' فرائڈ' ایڈلر' کارل مارکس اور میکیاولی وغیرہ شامل ہیں[5]۔

مذکورہ بالا صورت حال کے تناظر میں رفیع الدین' فلسفے کا نئے سرے سے جائزہ لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک فلسفہ ایک ہتھیار ہے۔ عقل و استدلال اس کا گولہ بارود ہے۔ ہتھیار بذات خود مضر نہیں ہوتا' اسے استعمال کرنے والے پر منحصر ہے کہ وہ اسے کب اور کہاں' صحیح یا غلط استعمال کرتا ہے۔ مسلمانوں نے دوسروں کے ایجاد کردہ کئی ہتھیاروں کو اپنی سلامتی اور تحفظ کے لئے کامیاب

طریقے سے استعمال کیا ہے۔ افکار کے محاذ پر ہم اس ہتھیار کو اپنے بارود کے ساتھ استعمال کر سکتے ہیں۔ رفیع الدین کے نزدیک فلسفہ حق بھی ہے اور باطل بھی۔ وہ فلسفہ حق کو اسلامی تعبیرو تشریح کا ایک اہم پہلو تصور کرتے ہیں اور فلسفہ باطل کو دلائل و براہین سے رد کرتے ہیں۔ فلسفہ باطل کا جواب فلسفہ حق ہو سکتا ہے۔ فلسفے کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نظریاتی مسلک کی عقلی تفسیر کا نام فلسفہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ علوم ثلاثہ یعنی طبعیات، حیاتیات اور نفسیات کو جو حقائق معلوم ہیں، فلسفہ ان کی تعبیرو تشریح کسی مفروضے یا نصب العین کو پیش نظر رکھ کر کرتا ہے تاکہ وہ باہم مربوط و ہم آہنگ ہو کر ایک ذہنی نظام کی شکل اختیار کریں جن میں کوئی تضاد نہ ہو"[6]۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"فلسفے کا کام یہ ہے کہ وہ آشکار طور پر کسی تصور حقیقت کو پیش کرتا ہے اور اس کے ساتھ تمام سائنسی حقائق کی عقلی اور علمی مطابقت کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے"[7]۔

رفیع الدین فلسفے کو حق اور باطل میں تقسیم کر کے اس کے حقی پہلو کو نمایاں کر کے اس کی اہمیت اور افادیت کو اجاگر کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ان کے نزدیک فلسفہ اس وقت باطل ہوتا ہے جب فلسفی کا وجدانی تصور غلط ہو۔ وجدانی تصور غلط ہونے کی بنا پر کائنات عالم کا تجزیہ بھی غلط ہو جائے گا۔ گویا کسی فلسفی کے غلط اور صحیح فلسفے کا معیار اور کسوٹی تصور کائنات ہے[8]۔ انسانوں کو صحیح تصور کائنات پر مبنی فلسفہ گمراہ نہیں کرتا بلکہ غلط تصور کائنات پر مبنی فلسفہ کرتا ہے۔ غلط فلسفہ انسان کی دو ذہنی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے، اس لئے وہ مقبول بھی ہو جاتا ہے یعنی تصور عالم قائم کرنا اور اس کو عقل و استدلال سے ثابت کرنا۔ لیکن غلط وجدان کی بنا پر قائم تصور حیات کی بنا پر انسان گمراہ ہو جاتا ہے[9]۔ جبکہ صحیح وجدان پر قائم تصور حیات اور اس کی بنیاد پر فلسفے کو فلسفہ حق قرار دیتے ہیں۔ فلسفہ حق کو مسترد کرنے کے بجائے اسے فلسفہ باطل کا جواب قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک فلسفہ باطل اگر علمی و عقلی استدلال پیدا کر لیتا ہے تو ایسی کوئی وجہ نہیں کہ کائنات کی ایسی تشریح جس میں خدا، رسالت اور مذہب بنیاد ہو، علمی تحقیق اور عقلی استدلال پر پوری نہ اترتی ہو۔ صداقت دراصل ایسی ہو ہی نہیں سکتی جو علمی تحقیق اور عقلی استدلال پر پوری نہ اترتی ہو[10]۔ علمی حقائق ان کے نزدیک جوں جوں ترقی کریں گے، شعور علمی مزید بلند ہو گا۔ غلط فلسفے خود بخود مٹ جائیں گے اور صحیح ابھر آئیں گے[11]۔

آگے چل کر فلسفے کو سائنس، عقل وجدان، نبوت، وحی اور اسلام میں مقام عقل و فکر کے تناظر میں زیر بحث لا کر فلسفہ حق کے تصور کو مزید واضح کرتے ہیں۔ رفیع الدین کے نزدیک فلسفہ سائنس ہی کا ایک شعبہ ہے۔ لکھتے ہیں:

"فلسفے اور سائنس میں کوئی واضح امتیاز نہیں کیا جا سکتا بلکہ صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ فلسفہ پوری کائنات کی سائنسی تحقیق کی وہ چوتھی اور آخری منزل ہے

جہاں تمام کائنات کا سائنسی علم' تجربے' مشاہدے اور استنتاج کے تینوں مرحلوں سے گزر کر تنظیم کے چوتھے مرحلے میں داخل ہوتا ہے۔ دراصل جب سائنسی تحقیق اپنی مجموعی حیثیت سے اپنے آخری درجے پر پہنچتی ہے تو ہم اسے فلسفہ کہتے ہیں"[12]۔

رفیع الدین فلسفی اور سائنس دان میں فرق نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک دونوں کا دائرہ کار ایک ہے اور دونوں کی مشاہداتی قوت وجدان ہے۔ سائنس کو اپنی انتہا پر پہنچ کر فلسفہ بنے بغیر چارہ نہیں ورنہ وہ بے معنی ہو جائے گی[13]۔ سائنس نیچے سے آغاز کر کے قانون قوانین اور سبب الاسباب کی طرف جانا چاہتی ہے اور فلسفہ سبب الاسباب اور قانون قوانین سے آغاز کر کے نیچے کی طرف آتا ہے۔ وہ اس خیال کی تردید کرتے ہیں کہ سائنس دان اپنی تحقیق کا آغاز بغیر کسی اعتقاد کے خالی الذہن ہو کر کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہر سائنس دان اپنی سائنسی تحقیق کی بنیاد کے طور پر حقیقت سائنس یا حقیقت علم کے متعلق کچھ عقائد رکھتا ہے جو خود حقیقت کائنات کے کسی عقیدے سے ماخوذ ہوتے ہیں' اور جو اس کی تحقیق کے نتائج پر اثر انداز ہوتے ہیں"[15]۔

عقل و وجدان کا تعلق فلسفے سے کس قدر ہے ــــــــ رفیع الدین کے نزدیک فلسفہ عقل اور وجدان کا مرکب ہے جہاں عقل و حواس کی حدود ختم ہوتی ہیں' وہاں سے آگے وجدان کا دائرہ کار ہے۔ کسی تصور کا مکمل فہم عقل کا نہیں' وجدان کا کام ہے۔ عقل ہم سفر تو رہتی ہے مگر منزل اس کے دائرے سے باہر ہے۔ عقل' وجدان کی مددگار ہے۔ عقل وجدان سے ادنیٰ سطح پر ہے۔ گویا وجدان کی تصدیق ہی کسی حقیقت کا اظہار ہو گا[16]۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ حواس اور عقل دونوں ہمارے وجدان کے مددگار ہیں۔ عقل خود وحدتوں کو نہیں جان سکتی۔ اس کام کے لئے وہ وجدان کو اکساتی ہے۔ وجدان میں غلطی بھی ممکن ہے مگر غلطی کے بغیر وجدان ہی جان سکتا ہے۔ گویا عقل راستہ دکھاتی ہے اور وجدان منزل پر پہنچاتا ہے[17]۔ عقل دو طریقوں سے وجدان کی مدد کرتی ہے کہ موجود نصب العین کی کیا خدمت کر سکتی ہے اور دوسرے اسے نئے اور بہتر نصب العین کے حسن کے احساس کے لئے اکساتی ہے۔ تاہم عقل' محبت کے دائرہ علم میں داخل نہیں ہو سکتی اور کسی تصور حسن کا مشاہدہ نہیں کر سکتی کیونکہ یہ جذبہ حسن یا خود شعوری کا کام ہے۔ اس بات کو رفیع الدین' قرآن سے متعارض نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک اخلاق' سیاست' قانون' تعلیم اور فلسفہ عقل سے نہیں' محبت سے پیدا ہوتے ہیں[18]۔ صحیح نصب العین خدا ہے' اس لئے اس نصب العین سے زندگی کے مختلف پہلوؤں کے قوانین عمل محبت سے جنم لیتے ہیں[19]۔ جس کا ایک تصور آدرش یا نصب العین ہے جسے انسانی وجدان قائم کرتا ہے۔ اس آدرش کو عقل قائم نہیں کرتی۔ احساس حسن ایک کل ہے جو عقل کی دسترس سے باہر ہے[20]۔ اپنے ایک مضمون "وجدان اور عبادت" میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ عقل کسی شے کا محض ایک جز

سمجھ سکتی ہے لیکن احساس کل پر حاوی ہے۔ ہماری زندگی کا راہنما اصول محبت ہے' منطق ہیں۔ انسانی زندگی کا داعیہ محبت یا احساس حسن ہے۔ ذہانت اعیہ نہیں بن سکتی[21]۔ اس کے برعکس جس علم کو سائنسی اور عقلی مراد دیتے ہیں' وہ کبھی کامل طور پر عقلی نہیں ہوتا بلکہ اس میں ایمان' وجدان اور احساس کا بہت بڑا ہاتھ ہے[22]۔ وجدان' احساس یا ایمان ہماری کمزوری نہیں بلکہ ہماری فطری طاقت ہے اور انسان طاقت ور اسی وقت ہوتا ہے جب فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے[23]۔ عقل اور وجدان کے سائنسی اور علمی ربط اور عمل ترکیب اور عمل تحلیل کے تحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عقل کا کام ان وجدانی ملکات کی سالمیتوں کا ربط معلوم کرنا ہے تاکہ وجدان مزید نامعلوم سالمیتوں کی دریافت کر سکے اور عمل تحلیل' ایک معلوم سالمیت کی ترکیب جن چھوٹی سالمیتوں سے ہوتی ہے' ان کا وقوف حاصل کر سکے۔ ان کے نزدیک عقل نفس کو اس کی منزل مقصود کی راہ دکھا سکتی ہے مگر خود منزل پر پہنچ نہیں پاتی[24]۔ رفیع الدین نے اس تاثر کی موثر نفی کی ہے کہ فلسفہ صرف حواس اور عقل کا نتیجہ ہے' جیسے ہمارے مذہبی حلقے اسی دلیل پر فلسفے کو مذہب سے متوازی متصور کرتے ہیں۔ رفیع الدین نے دلائل و براہین سے اس بات کی وضاحت کر کے کہ فلسفہ عقل اور وجدان دونوں کا مرکب ہے' مذہبی حلقے کے منفی تاثر اور دلائل کو دور کرنے کی ایک اہم سعی کی ہے۔

نبوت کے حوالے سے اس موضوع پر رفیع الدین لکھتے ہیں کہ صحیح فلسفہ نبوت کے سچے اور صحیح وجدان کی عقلی و منطقی تشریح اور تفسیر ہے' اس لئے وہ صحیح ہے۔ پیغمبر کا وجدان ان کے نزدیک صحیح ترین ہوتا ہے[25]۔ ان کے نزدیک کائنات اور انسان کا موضوع ہی نبوت کا موضوع ہے اور یہی فلسفے کا موضوع ہے۔ فلسفہ اور نبوت' عقل اور وحی ایک ہی منزل کی طرف رواں دواں ہیں ______ البتہ کامل نبوت کے بغیر فلسفے بھی کامل اور استدلال سے محروم رہا۔ اب کامل نبوت کے بعد فلسفے کو بھی کامل استدلال میسر ہونا شروع ہو گیا ہے[26]۔ اس لئے کہ نبوت کمال پر پہنچ جانے کے باوجود انسان کو صرف ایک اعلیٰ قسم کے وجدان کی تربیت دیتی ہے۔ کائنات کی عقلی ترتیب کی تفصیلات کے بجائے بعض ضروری امور کی نشاندہی پر اکتفا کرتی ہے[27]۔ رفیع الدین مذہبی حلقوں کے اس نظریئے سے اتفاق نہیں کرتے کہ نبوت کا فلسفے سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کے نزدیک نبوت بذات خود ایک فلسفہ ہے' البتہ اس کا ان فلسفوں سے تعلق نہیں' جن کا تصور کائنات غلط ہے[28]۔ ان کے نزدیک جدید دور میں حقائق قرآنیہ کی جزئیات اور تفصیلات علم جدید سے آشکار ہو رہی ہیں اور اسی طرح کی بہت سی صحیح جزئیات اور تفصیلات غلط فلسفیانہ نظریات میں موجود ہیں۔ غلط فلسفیانہ نظریات سے صحیح تصورات کو الگ کر لینے سے خود بخود ان نظریات کا ابطال ہو جائے گا کیونکہ ان تصورات اور فلسفوں کی اساس درست نہیں ہے[29]۔

وحی کے بعد عقل کا مقام باقی نہیں رہتا ______ اس عام اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں کہ اس کے باوجود کہ وحی کے مقابلے میں عقل کی کوئی اہمیت نہیں' وحی اور عقل کے درمیان ایک تعلق اور رشتہ ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس ضمن میں ان کا موقف ہے کہ:

1- ہم خدا کی وحی کو عقل کی طرف سے وجدان یا یقین کو راہنمائی کے بغیر قبول نہیں کرتے خدا کی وحی اور اس کے حق ہونے کا ادراک اور یقین عقل کی مدد حاصل کرتا ہے۔ قرآن نے بھی عقل کو اسی بابت بار بار استعمال کرنے کی تلقین کی ہے۔ نیز عقل ہی کے ذریعے ہم سچے اور جھوٹے نبی کی پہچان کرتے ہیں۔

2- ضبط تحریر میں آئی ہوئی وحی علمی و عقلی استدلال و توجیہہ سے محروم ہو کر یقین پیدا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔

3- وحی' انسان اور کائنات سے متعلق ایک نظریہ عطا کرتی ہے۔ فلسفے کی صورت میں یہ کام عقل کرتی ہے۔ خدا کی وحی کی قبولیت کے بعد بھی عقل انسانی اس کو زیر غور لاتی ہے کہ خدا ہے تو کیسے [30]۔

رفیع الدین کے فلسفے کے بارے میں نظریات کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ فلسفہ مذہب بیزار نہیں ہے۔ سائنس' فلسفے اور مذہب کے دائرہ کار اور ان کے اجتماعی مقاصد کی وضاحت کی ہے۔ سب ایک دوسرے سے منسلک اور مربوط ہیں' ایک دوسرے سے مدد حاصل کرتے ہیں اور منزل تک رسائی کے لئے کوشاں ہیں۔ اس بات سے متفق نہیں کہ فلسفے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں قرآن کی رو سے بھی فلسفہ ان معنی میں قابل قبول نہیں ہو گا جب اس کا بنیادی تصور یعنی حقیقت کائنات اور انسان متضاد اور غلط ہو گا۔ ان کے نزدیک فلسفہ ایک علمی اصطلاح ہے جس سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ کسی تصور کے بارے میں ٹھوس علمی اور عقلی استدلال ہو گا اور وہ تصور بحیثیت کل ایک مکمل وحدت ہو گا اور بحیثیت ایک جز وحدت کی اکائی ہو گا قرآن میں اس طرح کے مفہوم کی ادائیگی کے لئے "حکمت" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ رفیع الدین کے نزدیک فلسفہ اور حکمت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ قرآن مجد کتاب حکمت ہے حکیم خدا کے اسمائے حسنیٰ مں سے ایک ہے فلسفی صداقت کی جستجو کرتا ہے۔ یہ صلاحیت صرف صداقت کے اندر ہی ہے کہ وہ علمی اور عقلی لحاظ سے درست ہو۔ قرآن حکیم مجمل حکمت کائنات ہے اور اس کی تفصیل اور تشریح جو قیامت تک رہے گی' حکمت کائنات ہے۔ یہی تفسیر و تشریح کتاب حکمت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں صرف ایک فلسفہ صحیح ہے اور باقی سب فلسفے غلط ہیں' اور صحیح فلسفہ وہ ہے جو قرآن حکیم پر مبنی ہو' اور جو خدا کے عقیدے سے آغاز کرے اور خدا کے عقیدے پر ختم ہو' لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلام کا فلسفے سے کوئی تعلق نہیں" [31]

دوسری جگہ اس بات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ فلسفہ ہے اور اپنی طرف حکمت کو منسوب کرتا ہے۔ لفظ "حکیم" (یاسین والقرآن الحکیم) سے اپنے آپ کو تعبیر کرتا ہے اور بار بار عقل سے کام لینے کی ہدایت کرتا ہے۔ رفیع الدین کے نزدیک فلسفے کا لازمی عنصر استدلال نہیں بلکہ کائنات کا وجدانی تصور ہے۔ قرآن ایک مکمل علمی و عقلی کائنات کا تصور پیش کرتا ہے' لہٰذا وہ ایک فلسفہ ہے [32]۔ ان کے نزدیک علمی و عقلی معیارات پر پوری اترنے والی'

خدا کی بات' کھول کر بیان کرنا اسلام کا فلسفہ ہے۔ اسلام کا یہی فلسفہ موجودہ باطل نظریات کا جواب اور ہمارے ایمان کا محافظ اور ظن و شک کا علاج ہے[33]۔

مختصراً' رفیع الدین فلسفے کو فلسفہ حق اور باطل میں تقسیم کر کے مغرب کی فلسفیانہ یلغار کو روکنا چاہتے ہیں۔ جدید علوم و فلسفہ سے صرف نظر کرنے کے بجائے اس سے مقابلہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں جدید علوم کو سرے سے مسترد کرنے کے بجائے ہمدردانہ طور پر ان کا جائزہ لیتے ہیں اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ان نظریات میں پنہاں سچائی کو تلاش کیا جائے اور اس کے ساتھ قرآن کو کتاب حکمت قرار دے کر غور و فکر کے دائرہ کار کو وسعت دی ہے۔

✣ ✣ ✣

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

حواشی

1- ڈاکٹر محمد رفیع الدین کا شمار علامہ محمد اقبال کے مسلمہ شارحین میں ہوتا ہے۔ 1904ء میں جموں میں پیدا ہوئے اور 1969ء میں کراچی میں فوت ہوئے۔ اقبال اکیڈمی کے پہلے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ 1953ء سے 1965ء تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ "اقبال ریویو" کا اجراء کیا۔ اس دوران آپ نے کئی بلند پایہ کتب تصنیف کیں۔

2- اسلامی تعلیم (ڈاکٹر محمد رفیع الدین نمبر)' مظفر حسین' دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمی محفل کی یاد' جلد 2' شمارہ 6' 1973ء :11

3- ڈاکٹر محمد رفیع الدین' حکمت اقبال (دیباچہ)' ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد' 1994ء

4- ڈاکٹر محمد رفیع الدین' قرآن اور علم جدید' ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع سوم 1959 :4

5- ایضاً :8

6- ڈاکٹر محمد کرفیع الدین' فرسٹ پر نسپلز آف ایجوکیشن (ترجمہ) جلد 2 :176

7- ایضاً اسلام اور سائنس - استفادہ مظفر حسین کی مرتب سائنس کی دینیات سے کیا گیا ہے :22

8- حکمت اقبال :17

9- قرآن اور علم جدید :66

10- ایضاً :4

11- حکمت اقبال :29

12- اسلام اور سائنس (دینیات) :24

13- حکمت اقبال :69

14- قرآن اور علم جدید :19

15- اسلام اور سائنس (دینیات) :19

16- فرسٹ پر نسپلز آف ایجوکیشن (ترجمہ) جلد 2' :126-30

17- اقبال ریویو' ڈاکٹر محمد رفیع الدین' اقبال کا فلسفہ' جولائی 1940ء :37

18- قرآن اور علم جدید :244

19- ایضاً :245

20- قرآن اور علم جدید :244

21- اسلامی تعلیم' ڈاکٹر محمد رفیع الدین' وجدان اور عبادت' جلد 2' شمارہ 3' 1973ء :5

22- ایضاً :6
23- ایضاً :7-8
24- فرسٹ پرنسپلز آف ایجوکیشن (ترجمہ) جلد 2، 125:
25- ڈاکٹر محمد رفیع الدین، پاکستان کا مستقبل، آل پاکستان ایجوکیشن کانگرس لاہور، 1994ء: 71
26- رفیع الدین اس سے مراد علامہ محمد اقبال کے فلسفے کو نبوت سے منسلک کرنے اور برگساں کے تخلیقی نظریئے کو کہتے ہیں۔
27- اسلامی تعلیم، ڈاکٹر محمد رفیع الدین، اقبال کا فلسفہ خودی، جلد 3، شمارہ 6، 1974ء :10
28- قرآن اور علم جدید 75
29- ایضاً :78
30- ڈاکٹر محمد رفیع الدین، اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار، انجمن خدام القرآن لاہور، :13-15
31- ایضاً :44
32- پاکستان کا مستقبل :71-69
33- اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار :45

✢ ✢ ✢